تحریکِ جہادِ اسلامی

مقبوضہ فلسطین کے اندر اٹھنے والی نئی لہر

جناب خلیل حامدی صاحب

اِس وقت پورے مقبوضہ فلسطین میں آزادی کی لہر اُٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ اِس لہر کو اُٹھانے میں اُن مظلوم فلسطینی نوجوانوں کے جذبۂ ایمانی کو دخل ہے، جو اسرائیل کے اندر ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اور اسرائیل کی دہشت انگیز فضا میں پروان چڑھے ہیں۔ یہ نوجوان جذبۂ ایمان سے لبریز ہیں۔ ظلم و ستم کی چکی میں پستے رہے ہیں اور اب انہوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اسلام کے سائے میں آزادانہ زندگی گزاریں گے یا وہ جامِ شہادت نوش کر کے آنے والی نسلوں کے لیے غیرت و حمیت اور شجاعت و مردانگی کا نیا باب رقم کر دیں گے۔ ان نوجوانوں کی تنظیم کا نام "تحریک جہادِ اسلامی" ہے۔ اِس نے اپنے لیے جو شعار تجویز کیا ہے وہ تین باتوں پر مشتمل ہے۔

الاسلام مصدر قوّتنا (اسلام ہماری طاقت کا منبع ہے)۔

الاسلام رمز عزّتنا (اسلام ہماری عزّت کا عنوان ہے)۔

الاسلام طریق انتصارنا (اسلام ہماری کامیابی کا راستہ ہے)۔

ان نوجوانوں کی نمایاں اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ عہدِ حاضر کے مسلمان مفکرین کے خیالات ان پر اثر انداز ہو گئے ہیں۔ اور وہ اسلام کو محدود معنی میں لینے کے بجائے ایک انقلاب پسند اور آزادی کے علمبردار دین کی حیثیت سے لیتے ہیں۔ نوجوانوں کے اسی گروہ کے بارے میں فرانس کے اخبار لوموند نے ۷ نومبر ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں غزہ میں اپنے نمائندے کے

حوالے سے لکھا ہے:

"اب کسی شخص کو یہ شک نہیں رہا ہے کہ غزہ کے علاقے میں اسلامی لہر مسلسل اُبھرتی جارہی ہے۔ غزہ مقبوضہ فلسطین میں سب سے زیادہ غریب علاقہ ہے اور اب اسرائیلی حکام کے لیے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ اِس اُبھرنے والی اسلامی لہر کے بارے میں اپنی بے چینی کو زیادہ دیر تک پوشیدہ رکھ سکیں گے"۔

فرانسیسی اخبار نے اسرائیلیوں کی جس بے چینی اور سراسیمگی کی طرف اشارہ کیا ہے، اُس کی توثیق اسرائیل کے وزیراعظم شمعون پیریز کے یہ الفاظ کرتے ہیں کہ:

"غزہ کے علاقے میں رہنے والے ۶ لاکھ فلسطینی اسرائیل کے لیے غزہ کے تین سو مربع کلومیٹر کے رقبے سے زیادہ خطرناک ہیں"۔

تحریک جہادِ اسلامی کا مرکز غزہ میں ہے۔ غزہ کی اسلامی یونیورسٹی جسے اسرائیلی حکام بار بار بند کرنے کی سازش کرتے رہے ہیں تحریک جہاد کا نرسری فارم بنی رہی ہے۔ اسرائیلی پارلیمنٹ (جسے یہودیوں کی اصطلاح میں کنشت کہا جاتا ہے) کے ایک رکن بنیامین بن بجازرہ نے اپنے بیان میں تسلیم کیا ہے کہ یہ تحریک پہلی مرتبہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو اس وقت منصۂ ظہور پر آئی جب بیت المقدس میں دیوارِ گریہ کے پاس جمع ہونے والے یہودیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ہر قیمت پر ہیکل سلیمانی کو بحال کریں گے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسجد اقصیٰ کو مسمار کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس فیصلے کے بعد یہودیوں نے کوشش کی کہ وہ اجتماعی شکل میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوں اور ہیکل سلیمانی کی تجدید کا اعلان کریں۔ جہادِ اسلامی کے کارکنوں نے یہودیوں کی اس سازش کو ہر قیمت پر روکنا چاہا۔ اس موقع پر مجاہدین اور یہودی فورسز کے مابین جھڑپیں ہوگئیں۔ اور نتیجۃً ۳۰ یہودی زخمی ہوئے اور ان میں دو مر گئے۔ تحریک جہادِ اسلامی کی ماتحت تنظیم: "الاقصیٰ فورس" نے اس کارروائی کی ذمہ داری قبول کی۔

تحریک جہادِ اسلامی کا آغاز غزہ سے ہوا ہے۔ غزہ کے ایک مقام نابلس میں یہودی فوجی دستے اور فلسطینی نوجوانوں کے درمیان ایک شدید معرکہ ۲۹ نومبر ۱۹۸۰ء کو ہوا جس میں چار مسلمان

شہید ہوئے اور ایک بڑی تعداد زخمی ہوگئی ۔ یہودی حکام کی چیرہ دستی کا یہ عالم تھا کہ زخمی ہونے والوں کو ہسپتال میں داخل کرنے سے انکار کر دیا گیا ۔ اس صورتِ حال نے جذبات کو مشتعل کر دیا اور نہ صرف غزہ، اور مغربی کنارے بشمول القدس، الخلیل، بیت اللحم کے اندر بسنے والے مسلمانوں کے اندر غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی، بلکہ اس تحریک میں ۱۹۴۸ء کے اندر اسرائیل میں شامل ہونے والے فلسطینی علاقوں کے مسلمان بھی شامل ہو گئے ۔

اس تحریک کی نمایاں بات یہ ہے کہ یہ فلسطین کی مسجدوں سے اُٹھ رہی ہے ۔ گو فلسطینی عوام کلیتہً نہتے ہیں، مگر وہ اینٹوں اور پتھروں سے یہودی سنگینوں کا مقابلہ کر رہے ہیں ۔ تحریک کی طرف سے جو لٹریچر تقسیم کیا جا رہا ہے ۔ اُس پر قرآن اور بندوق کا شعار درج ہے ۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے بھی اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں اور سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ ہے :

خیبر خیبر یا یھود - جیش محمد سوف یعود

(اے یہودیو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر اسی طرح تمہاری طرف بڑھ رہا ہے جس طرح اس نے خیبر میں تمہیں ملیا میٹ کیا تھا)

تحریکِ جہادِ اسلامی نے اپنا جو منشور جاری کیا ہے اُس کے اہم حصے یہ ہیں :

" پچھلی نصف صدی سے پوری اُمتِ اسلامی اور خاص طور پر فلسطینی قوم جن تلخ اور سنگین تجربوں سے گزر رہی ہے اُن سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اب جذبۂ جہاد سے سرشار مسلمانوں کو مختلف سطح پر اپنی ذمہ داریاں سنبھالنی چاہئیں ۔ اور ان میں سرِ فہرست سرزمینِ اسلام فلسطین کا مسئلہ ہے ۔"

" اُمتِ اسلامی کے تمام اہم مسائل اس وقت تک ہوا کے جھونکوں کے حوالے رہیں گے اور دشمنانِ اسلام جس طرح چاہیں گے اُن سے کھیلتے رہیں گے جب تک اُمت کے مجاہد عوام " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ " کا علم بلند نہیں کرتے اور اپنے عقیدے اور اپنی روشن تاریخ اور اپنے اسلامی وطن کا اللہ کے بھروسے پر اُٹھ کر دفاع نہیں کرتے ۔ ان کا راستہ جہاد اور قربانیوں کا راستہ ہے ۔"

" یہ تحریک کسی بین الاقوامی تنظیم کی شاخ نہیں ہے اور نہ کسی ایسی فلسطینی گروہ کے

تابع ہے جو غیر اسلامی ہے ۔ یہ تحریک ایک نو مولود اسلامی جماعت ہے اور اس کا بیرون فلسطین کسی تنظیم سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

" اس تحریک کی عسکری سرگرمیاں اور عوام کے تعاون سے اس کی جدوجہد تیز تر ہوتی جا رہی ہے ۔ اس کی پالیسی اور پلاننگ اتنی ہی واضح اور روشن ہے، جتنا قرآن اور سنتِ رسول واضح اور روشن ہے"۔ (المجتمع ۱۵ دسمبر ۱۹۸۶ء)

اس وقت پورے فلسطین میں تحریک جہاد نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کر لی ہے ۔ اسے صحیح معنوں میں فلسطینی عوام کے جذبات کی عکاسی اور ان کی دبی ہوئی امنگوں کا آئینہ کہا جا سکتا ہے ۔ مسجدوں میں لوگ جمع ہو کر مظاہروں اور جلوسوں کی شکل میں نکل رہے ہیں اور اپنے سینوں کو صیہونی گولیوں سے چھلنی کروا رہے ہیں ۔ غزہ اور بعض دیگر علاقوں کو فوج کے حوالے کیا جا چکا ہے، مگر تشدد کی ہر کارروائی فلسطینی مجاہدین کے جوش و خروش میں اضافہ کرتی جا رہی ہیں ۔ یہودی قوم جس نے امریکہ کی امداد اور اپنی دولت کے بل بوتے پر دنیا کے اندر اپنے غیر معمولی قوم ہونے کا پروپیگنڈا برپا کر رکھا ہے فلسطینی مجاہدین کے آگے اس کا پول کھلتا جا رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بزدلی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "یہ دیواروں کی آڑ میں تم سے لڑ سکتے ہیں ۔ سامنے نہیں آ سکتے"۔

یہودی نئی تحریکِ جہاد سے انتہائی خائف ہیں ۔ ایک طرف یہودی جرنیل روفائیل ایتان جو لبنان کے اندر ناکام ہو چکا تھا، یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ ہر اس فلسطینی کو موت کی سزا دے دی جائے گی جس کے پاس ریوالور یا چھری تک پائی جائے اور دوسری طرف لیکود پارٹی کا رکن موشے عجیراف تنظیمِ آزادیٔ فلسطین سے ہمدردی رکھنے والے افراد سے مل کر انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ "اسرائیلی فلسطینی کنفڈریشن" کو قبول کر لیں ۔ اس کنفڈریشن کی رُو سے دریائے اُردن کے مغربی کنارے پر عمومی اقتدار اسرائیل کا ہو، مگر مقامی انتظامیہ فلسطینی ہو، جھنڈا بھی فلسطین کا لہرائے اور ڈاک کے ٹکٹ اور ترانہ بھی فلسطینی قومیت کا عکاس ہو ۔ تحریکِ جہاد اسلامی اور اسرائیل کے فلسطینی عوام اس پیش کش کو مسترد کر چکے ہیں ۔

اسرائیل کی فلسطینی آبادی کو پچھلے چالیس سالوں میں کم سے کم کرنے کی مسلسل کوشش کی گئی ہے مگر اسرائیلی حکام کی تمام تر کوششیں بے سود ثابت ہوئی ہیں ۔ جریدہ المجتمع (۲۲ دسمبر ۱۹۸۶ء) کے

مطابق اس وقت فلسطین کے اُن حصّوں میں جن پر ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی منحوس اور ناجائز ریاست قائم کی گئی تھی، ۷ لاکھ فلسطینی رہتے ہیں۔ انہیں "اسرائیلی شہری" کہا جاتا ہے۔ پچھلے چالیس سالوں میں ان کے ذہنوں سے عرب اور مسلمان ہونے کے احساس کو کھرچنے کی پوری منصوبہ بندی کی گئی ہے، جو سرتا پا ناکام ہوئی ہے۔ موجودہ تحریک میں وہ لوگ بھی پوری طرح شامل ہو چکے ہیں۔ اسی طرح مغربی کنارے میں بھی ۸ لاکھ فلسطینی اور غزہ کی پٹی میں بھی ۶ لاکھ فلسطینی آباد ہیں۔ یہ دو ملین آبادی جس کے اندر قدرت نے اسلام کی رُوح پھونک دی ہے، آخرکار اسرائیل سے نجات حاصل کر کے رہے گی۔

ڈاکٹر عبدالعزیز خیاط وزیر اوقاف اُردن کے بیان کے مطابق اس وقت فلسطین کے اندر ۷۵۰ مسجدیں ہیں جن میں تین ہزار خطیب و امام ہیں۔ یہ تمام مساجد مجاہدین کے مورچے بن رہی ہیں۔ مزید برآں مسجد اقصیٰ کے اندر اسلامی تربیت گاہ قائم ہو چکی ہے۔ اسی طرح اسلامی یونیورسٹی غزہ کے تحت تین کالج، القدس کالج اور ایک کالج قلقیلیہ میں اور چار ثانوی اسلامی مدارس مغربی کنارے کے مختلف حصّوں میں کچھ عرصے سے قائم ہیں۔ ان تمام اداروں کے اخراجات اسرائیل کے فلسطینی عوام اور اُردن کی وزارتِ اوقاف برداشت کرتی ہے۔ ان کے اندر تعلیم پاتے والے لڑکے اور لڑکیاں ذلت و رسوائی کی زندگی سے تنگ آ چکے ہیں اور اب جہاد کے بغیر ان کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔

اسرائیل کے اندر اُٹھنے والی تحریکِ جہاد کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ پوری دُنیا کے مسلمان اس کا ساتھ دیں۔ اسرائیل کو امریکہ، روس اور دُنیا کی عیسائی طاقتوں کی پُشت پناہی اور تائید حاصل ہے۔ یہ طاقتیں ہرگز یہ برداشت نہ کریں گی کہ افغانستان کے بعد فلسطین کے اندر اسلامی بُنیادوں پر جدوجہد آزادی کا شرارہ بلند ہو جائے۔ اس لیے ملّتِ اسلامیہ کو اسی جذبے کے ساتھ تحریکِ جہادِ فلسطین کی امداد کرنی چاہیے جس جذبے کے ساتھ اُس نے افغانستان کے جہاد سے دلچسپی لی ہے۔